© rasailojaraid.com

حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

ملک غلام علی صاحب

(۲)

تقسیم غنائم کا مسئلہ توریثِ مسلم من الکافر اور دیتِ معاہد کا مسئلہ ضروری حد تک پچھلے "ترجمان" میں صاف کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد "البلاغ" کی ترتیب کے مطابق اب مالِ غنیمت کا مسئلہ زیرِ بحث آتا ہے۔ اس میں مولانا مودودی کی جس عبارت کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے، وہ درجِ ذیل ہے:-

"مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں بھی حضرت معاویہؓ نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رُو سے پُورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اُس فوج میں تقسیم ہونے چاہییں جو لڑائی میں شریک ہو، لیکن حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونا ان کے لیے الگ نکال دیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔"

مولانا مودودی نے اس بات کی سند میں پانچ کتابوں کے حوالے دیئے تھے جن میں سے پانچواں اور سب سے آخری حوالہ البدایہ والنہایہ کا تھا۔ اب جناب محمد تقی صاحب نے کیا یہ ہے کہ باقی کتابوں کو چھوڑ کر صرف البدایہ کا حوالہ نقل کر دیا ہے کہ زیاد نے حضرت حکمؓ بن عمرو کو یہ لکھا کہ امیر المومنین (حضرت معاویہؓ) کا خط آیا ہے کہ سونا چاندی ان کے لیے الگ کر لیا جائے اور اس مالِ غنیمت کا سارا سونا چاندی بیت المال کے لیے جمع کیا جائے۔ اس حوالے کی بنیاد پر عثمانی صاحب نے استدلال و قیاسات کی عجیب عمارت کھڑی کی ہے فرماتے ہیں:

۱- اس حکم کی رُو سے حضرت معاویہؓ کی ذات کے لیے سونا چاندی الگ کیا جانا مقصود نہیں تھا، بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیت المال کے لیے نکالنا پیش نظر تھا، جیسا کہ الفاظ لبیت المال بتا رہے ہیں۔

۲- البدایہ یا کسی دوسری کتاب میں حضرت معاویہؓ کا حکم براہِ راست منقول نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زیادؓ نے خواہ مخواہ ان کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہو۔

۳- مولانا مودودی نے اس حکم کا ذکر تو کر دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی، حالانکہ کتابوں میں تصریح ہے کہ تعمیل نہیں ہوئی۔

۴- اگر زیاد کو سچا مان لیا جاتے، تب بھی یہ حکم ایک خاص جہاد سے متعلق تھا۔ مستقل طور پر جاری نہیں ہوا تھا۔

۵- عین ممکن ہے کہ اس وقت بیت المال میں سونے چاندی کی کمی ہو اور حضرت معاویہؓ اندازے یا اطلاع کی بنا پر سمجھے ہوں کہ وہ کُل مالِ غنیمت کے پانچویں حصّے سے زاید نہیں، اس لیے انھوں نے یہ حکم جاری فرمایا ہو کہ مالِ غنیمت میں صرف سونا چاندی ہی بھیجا جائے۔ لیکن حضرت حکم بن عَمروؓ نے اس لیے اظہارِ ناراضگی فرمایا ہو کہ فی الواقع سونا چاندی ⅕ سے زائد تھا، اس لیے وہ سارا سونا چاندی بیت المال میں داخل کرنے کو کتاب اللہ کے خلاف تصور کرتے تھے۔

اتنی ممکن یا غیر ممکن تاویلات کے بعد مدیر البلاغ لکھتے ہیں کہ "اس مجمل واقعے کی بہت سی توجیہات ممکن ہیں، اور یہ بات عقل و دیانت کے قطعی خلاف ہو گی کہ ہم ان قوی احتمالات کو قطعی طور پر رد کر دیں اور ضعیف احتمالات کی بنا پر حضرت معاویہؓ کے خلاف کتاب و سنت کے احکام کی خلاف ورزی کا حکم لگا دیں۔"

اس سلسلہ میں میری پہلی گزارش یہ ہے کہ بلاشبہ البدایہ میں یہی بات مذکور ہے کہ یہ سونا چاندی بیت المال کے لیے الگ کیے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن بقیہ چار کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی بیت المال کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ زیاد کا صرف یہ قول نقل ہوا ہے کہ امیر المؤمنین نے یہ لکھا ہے کہ ان کے لیے سونا چاندی الگ کر لیا جاتے (اصطفی لہ الصفراء والبیضاء۔ تاریخ ابن جریرؒ (متوفی ۳۱۰ھ) میں بھی بیت المال کے الفاظ نہیں ہیں۔ ابن سعدؒ (متوفی ۲۳۰ھ)، ابن عبد البرؒ (متوفی ۴۶۳ھ)، ابن الاثیرؒ (متوفی ۶۳۰ھ)، کسی نے بھی بیت المال کا ذکر اپنی اُن کتابوں میں نہیں کیا جن کا حوالہ مولانا مودودی نے دیا ہے۔ حافظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن کثیرؒ (متوفی ۷۷۴ھ) جو سب سے بعد میں آئے ہیں، صرف انہوں نے یہ لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ نے یہ سونا چاندی بیت المال کے لیے طلب کیا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری تک ابن کثیرؒ سے پہلے جن لوگوں نے اس واقعہ کو نقل و روایت کیا ہے اور جنہوں نے ان پہلی تاریخوں کا مطالعہ کیا ہے، کیا ان کا یہ بیان کرنا یا یہ سمجھنا بالکل غلط ہوگا کہ امیر معاویہؓ نے یہ مال اپنی ذات کے لیے طلب کیا تھا، بالخصوص جبکہ بیت المال کی پوزیشن بھی اُن کے زمانہ میں وہ ہو جسے دیت کی بحث میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں؟ اگر صرف ابن کثیرؒ کے الفاظ "بیت المال" کی روشنی میں دوسرے تمام مؤرخین کی عبارت کا منشا بھی یہی سمجھا جائے کہ سونا چاندی بیت المال کے لیے الگ کیے جانے کا حکم دیا گیا تھا، تو پھر بیت المال کی عدمِ تصریح کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ان مؤرخین کے نزدیک دورِ ملوکیت میں بیت المال اور امیر المؤمنین کے ذاتی خزانے کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ ورنہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اصطفیٰ لہٗ یا تصطفی لہٗ کے مغالطہ انگیز الفاظ کیوں استعمال کرتے جن کا تبادر مفہوم یہی ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے لیے سونا چاندی خاص کر لینے کا حکم دیا تھا؟ تاہم اگر یہی مان لیا جائے کہ یہ حکم بیت المال کے لیے تھا، پھر بھی یہ قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے لینے کا حکم دیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین کے آخری زمانے تک اسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔ اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ سونا اور چاندی مال غنیمت سے الگ نکال کر بیت المال میں داخل کر دیا گیا ہو، اور قرآن مجید کے الفاظ میں بھی اس تخصیص کے لیے کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ اس فعل کی تائید میں یہ استدلال بھی مہمل ہے کہ اس وقت بیت المال میں سونے چاندی کی کمی تھی جسے امیر معاویہؓ پورا کرنا چاہتے تھے۔ اُس زمانے میں مبادلۂ زر اور تبادلۂ اشیاء کا انتظام زیادہ پیچیدہ نہ تھا اور سونے چاندی کے ذخائر بیت المال کے استحکام کے لیے محفوظ رکھنے کی خاص ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین بسا اوقات اسے ترجیح دیتے تھے کہ بیت المال میں سونے چاندی کے بجائے ضروریاتِ زندگی کا سامان آئے اور مسلمانوں میں تقسیم ہو۔

دوسری بات عثمانی صاحب نے یہ کہی ہے کہ امیر معاویہؓ کا حکم براہِ راست منقول نہیں ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکتا ہے کہ زیاد نے خود ہی اسے گھڑ لیا ہو۔ یہ بڑی نرالی منطق ہے۔ اس طرح کے مجرّد عقلی احتمالات کی بنا پر تو ہر شے کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ غزوہ اور غنیمت کا قصہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا تھا۔ زیاد یا مؤرخین اگر مکاتیب و قصص گھڑنے میں ایسے ہی ماہر تھے تو وہ ایک پورا مکتوب امیر معاویہؓ کی طرف سے بصیغۂ متکلم بھی وضع کر سکتے تھے اور اسے کتابوں میں نقل کر سکتے تھے۔ لیکن عثمانی صاحب کو خود سوچنا چاہیے کہ امیر معاویہؓ جن کے نظم و ضبط اور ڈسپلن کا تذکرہ مؤرخین نے جا بجا بیان کیا ہے، کیا ان کے ایک گورنر کی یہ جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ ایک جعلی حکمنامہ زبانی یا تحریری طور پر امیر معاویہ کی طرف منسوب کرے، اُسے مسلمانوں کے پورے لشکر اور سپہ سالار کے سامنے پیش کرے اور پھر یہ بات امیر معاویہؓ تک نہ پہنچے اور اس کی کوئی تحقیق و تفتیش ہی نہ ہو، اور زیاد سے کوئی باز پُرس بھی نہ ہو؟ جبلِ اشل (یا اسل) کا یہ غزوہ سنہ ۴۴ھ میں پیش آیا، اور حضرت معاویہؓ اس واقعہ کے بعد پندرہ برس تک زندہ رہے۔ کیا یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ زیاد کے اس حکم، اور سپہ سالارِ لشکر کے اس پر اعتراض اور اس حکم کی تعمیل سے اُس کے انکار کا سارا قصہ ۱۵ برس تک حضرت معاویہؓ کے علم میں نہ آیا ہو؟ مزید براں کیا یہ بھی باور کیا جا سکتا ہے اگر اس حکم کا امیر معاویہؓ کی طرف سے ہونا مشتبہ ہوتا تو عثمانی صاحب سے پہلے کوئی مؤرخ اس کے مشتبہ ہونے کی طرف اشارہ تک نہ کرتا اور سب اُسے ان کے حکم ہی کی حیثیت سے روایت کرتے چلے جاتے؟ آخر مروان کا ایک خط بھی فسادیوں نے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ یہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہے اور اس پر حضرت عثمانؓ کی مہر ہے لیکن اُس وقت بھی اسے مشکوک سمجھا گیا اور اس کے بعد بھی بعض حضرات نے اس خط کو جعلی قرار دیا۔ خود حضرت عثمانؓ تک بھی اس کی شکایت پہنچائی گئی اور آپ نے خط کی صحت سے انکار کیا۔

پھر مدیر البلاغ کا اعتراض یہ بھی ہے کہ مولانا مودودی نے یہ نہیں بتایا کہ اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی تھی۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکی کہ اگر امیر معاویہؓ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی اور مولانا مودودی نے اسے بیان نہیں کیا تو اس سے اصل حکم کے حسن و قبح میں کیا کمی بیشی ہو سکتی ہے؟ امیر معاویہؓ اگر خود اس حکم کو منسوخ کر دیتے یا کم از کم اس کی تعمیل نہ ہونے پر اظہارِ ناراضی ہی نہ فرماتے تو سارے معاملے کی نوعیت بدل جاتی۔ لیکن اس حکم کے نہ مانے جانے کی جو تفصیلات مؤرخین نے بیان کی ہیں، وہ تو ایسی ہیں کہ شاید مولانا نے انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصداً نظر انداز کیا ہے، کیونکہ ان سے امیر معاویہؓ کی پوزیشن صاف ہونے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ آتنی بات "البلاغ" میں بھی نقل کر دی گئی ہے کہ حضرت حکمؓ نے جواب میں لکھا تھا کہ "اللہ کی کتاب امیر المومنین کے خط پر مقدم ہے اور خدا کی قسم اگر آسمان و زمین کسی کے دشمن ہو جائیں اور وہ اللہ سے ڈرے، تو اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتا ہے . . . " یہ بات پانچوں کتابوں میں مذکور ہے اور اس کے بعد یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حکمؓ نے دعا کی کہ "اے اللہ اگر میرے لیے تیرے پاس خیر ہے تو مجھے دنیا سے اٹھا لے"، چنانچہ ان کا بعد میں انتقال ہو گیا۔ امام حاکمؒ نے بھی المستدرک ج ۳. ص۴۴۲ پر ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ زیاد نے لکھا تھا: فان امیر المومنین کتب ان یصطفیٰ لہ الصفرآء والبیضاء . . . آگے لکھتے ہیں وان معاویۃ لما فعل الحکم فی قسمۃ الفیٔ ما فعل وجہ الیہ من قیدہ وحبسہ فمات فی قیودہ (جب حضرت حکمؓ نے تقسیم فے میں یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو امیر معاویہؓ نے اپنا فرستادہ بھیجا جس نے حضرت حکمؓ کو مقید و محبوس کر لیا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا)۔ بعینہٖ یہی پوری روایت امام ذہبیؒ نے مستدرک کی تلخیص میں بھی درج کی ہے۔

عثمانی صاحب نے ایک نکتہ یہ بھی نکالا ہے کہ یہ حکم ایک خاص جہاد سے متعلق تھا، مستقل طور پر جاری نہیں ہوا۔ جواباً عرض ہے کہ یہ تو مولانا مودودی نے بھی نہیں کہا کہ یہ کوئی مستقل حکم تھا بلکہ یہی لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایسا حکم دیا لیکن کیا ایک مرتبہ کوئی خلافِ کتاب و سنت حکم دینا قابلِ اعتراض نہیں ہے؟ اور اعتراض کی گنجائش صرف اسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب مستقل طور پر کتاب و سنت کے خلاف کوئی عمل کرتے رہنے کا حکم دیا جائے؟

آخر میں دلچسپ ترین احتمال آفرینی جو "البلاغ" نے کی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے بیت المال میں سونے چاندی کی کمی ہو اور حضرت معاویہؓ کو معلوم ہوا ہو کہ غنیمت میں سونے چاندی کی قیمت کل مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ہے لیکن فی الواقع وہ ۱/۵ سے زائد ہو، اس لیے حضرت حکمؓ سارا سونا چاندی الگ کرنے کو کتاب اللہ کے خلاف سمجھتے ہوں۔ یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت معاویہؓ کا ذریعۂ معلومات اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ فوج کا سپہ سالار یا کوئی ماتحت افسر انہیں غنیمت کی مقدار سے آگاہ کرتا، اور یہ بھی اسی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ممکن تھا جب پورا مالِ غنیمت یکجا ہو چکا ہو اور اس کی قیمت بھی لگ گئی ہو۔ اگر فی الواقع ایسی ہی صورت تھی تو پھر امیر معاویہؓ اور حضرت حکمؓ کے تخمینے میں کوئی تفاوت نہیں ہونا چاہیے تھا کہ ایک کے اندازے میں سونا چاندی پورے مال کا ۱/۵ ہو اور دوسرے میں اس سے زائد۔ نیز اس صورت میں امیر معاویہ کا حکم یہ ہوتا کہ سونا چاندی چونکہ خمس کے مساوی ہے، اس لیے دوسرے مال کو چھوڑ کر دہی بطورِ خمس لے لیا جائے۔ ایسی صورت میں سرے سے کوئی اختلاف ہی رونما نہ ہوتا اور نہ حضرت حکمؓ پر اس واقعے کا ایسا شدید ردِعمل ہوتا جو بالآخر ان کی موت پر منتج ہوا۔ اگر فی الواقع بات اتنی ہی ہوتی کہ سونے چاندی کا محض خمس سے کچھ زاید ہونا محلِ نزاع تھا تو حضرت حکمؓ یہ کہہ سکتے تھے کہ اتنا سونا چاندی ۱/۵ سے زائد بنتا ہے، اس لیے اسے فوج میں تقسیم ہونا چاہیے۔ وہ ہرگز یہ جواب نہ دیتے کہ کتاب اللہ کتابِ امیر پر مقدم ہے اور غازیوں سے ہرگز نہ کہتے کہ چلو، تم اس حکم کے علی الرغم مالِ غنیمت کو تقسیم کرو۔

پھر میں مولانا محمد تقی صاحب اور دوسرے قارئین کے علم میں یہ بات بھی لانا چاہتا ہوں کہ تاریخ طبری جو تواریخ مابعد کا مأخذ ہے، اُس میں امیر معاویہؓ کا جو حکم زیاد کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: اصطفی لہ صفراء و بیضاء والروائع فلا تحرکن شیئاً حتی تخرج ذالک ... پھر حضرت حکمؓ کا جو جواب زیاد کے نام منقول ہے اس میں بھی بعینہٖ یہی الفاظ وارد ہیں کہ تمہارا خط مجھے ملا جس میں یہ ذکر ہے: ان اصطفی لہ صفراء و بیضاء والروائع۔ اس سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ نے فقط سونے چاندی ہی کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ اموالِ غنیمت میں سے دوسری نفیس اور عمدہ اشیاء بھی مانگی تھیں اور فرمایا تھا کہ جب تک ان سب کو الگ نہ چھانٹ لیا جائے، کوئی چیز اپنی جگہ سے نہ ہلائی جائے۔ اس کے بعد اگر حضرت حکمؓ بن عمرو نے انتہائی دل گرفتگی کے عالم میں وہ دعا مانگی جو تاریخوں میں بیان ہے، تو اس پر مجھے کوئی تعجب نہیں ہے۔ میں یہاں یہ بھی ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت حکمؓ بن عمرو بھی کوئی معمولی پائے کے صحابی نہیں ہیں۔ ان سے امام بخاریؒ اور دوسرے اصحابِ صحاح نے حدیث اخذ کی ہے۔ مستدرک اور دوسری کتابوں میں ان کے جو حالات بیان ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دورِ فتن کے محاربات میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا اور سب سے الگ تھلگ رہے۔ آخر کار امیر معاویہؓ کے عہد میں انہوں نے اس غزوے کی قیادت کی جس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ دردناک انجام ہوا۔

سبِّ علیؓ کا مسئلہ مالِ غنیمت کے مسئلے کے بعد حضرت علیؓ پر سب و شتم کا مسئلہ آتا ہے۔ اس موضوع پر مولانا مودودی کی تحریر کا اقتباس دے کر عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا نے اس عبارت میں تین دعوے کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ پر خود سب و شتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کے تمام گورنر یہ حرکت کرتے تھے۔ تیسرے یہ کہ یہ گورنر حضرت معاویہؓ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ جہاں تک پہلے دعوے کا تعلق ہے، سو حضرت معاویہؓ کی طرف اس مکروہ بدعت کو منسوب کرنے کے لیے تین کتابوں کے پانچ حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ ہم نے ان میں سے ایک ایک حوالہ کو صرف مذکورہ صفحات ہی پر نہیں، بلکہ آس پاس بھی بنظرِ غائر دیکھا چونکہ مولانا نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ خود معاذ اللہ اس "انسانی اخلاق کے خلاف" فعل کا ارتکاب کرتے تھے اس لیے ہم نے سوچا کہ شاید مولانا نے ایسی کوئی روایت کسی اور مقام پر دیکھ لی ہو اور اس کا حوالہ دینا بھول گئے ہوں۔ چنانچہ ہم نے مذکورہ تمام کتابوں کے متوقع مقامات پر دیر تک جستجو کی کہ شاید کوئی گری پڑی روایت ایسی مل جائے لیکن یقین فرمائیے کہ ایسی کوئی بات ہمیں کسی کتاب میں نہیں ملی پھر بعض ان تواریخ کی طرف بھی رجوع کیا جن کے مصنف شیعہ تھے، مثلاً مروج الذہب، لیکن اس میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملی"

عثمانی صاحب نے یہاں اور آگے چل کر جس طرح سبِّ علیؓ کے معاملے میں حضرت معاویہؓ کی براءت ثابت کرنے کی سعی کی ہے، میں اس کے جواب میں پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ امیر معاویہؓ نے خلیفہ بننے سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی سبِّ علیؓ و اہلِ بیت النبیؐ کی مہم خود اپنی سرپرستی میں باقاعدہ جاری کی تھی اور یہ بنو امیہ کے دور میں منبروں پر مسلسل جاری رہی، تا آنکہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے آکر اسے مٹایا۔ یہ بات جس طرح تاریخ و حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے وہ اسے قطعیت و تواتر کا درجہ دے رہی ہے۔ مولانا مودودی کے حوالوں میں کوئی خلا یا تشنہ پہلو تلاش کر کے اُسے زور آزمائی کے لیے منتخب کر لینے سے حقیقی مسئلہ کالعدم نہیں ہو سکتا۔ مجھے عثمانی صاحب کی شکایت اس حد تک تسلیم ہے کہ جن مقامات کے حوالے مولانا مودودی نے دیئے ہیں، وہاں یہ بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صراحتہً مذکور نہیں کہ امیر معاویہؓ خود سب و شتم کرتے تھے[1] بلکہ اتنی بات بیان کی گئی ہے کہ گورنروں کو اس کی ہدایت کی گئی تھی۔ لیکن انہی کتابوں کے بعض دوسرے مقامات پر امیر معاویہؓ کا اپنا ہی فعل منقول ہے۔ اس لیے مدیر موصوف اپنے الفاظ کی منظر کشی سے یہ جو تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے خود نہ کبھی ایسا کیا، نہ کسی سے کرنے کو کہا، یہ تاثر بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔ موصوف کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے مولانا کی ذکر کردہ کتابوں، بلکہ دوسری تاریخوں کے سارے مقامات پر جستجو کی لیکن ایسی کوئی بات کسی کتاب میں نہ ملی۔ میں سردست دوسری کتابوں سے نہیں، البدایہ والنہایہ ہی سے ایک حوالہ پیش کرتا ہوں جسے کھنگالنے کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے:

قال ابو زرعة ... عن عبد اللہ بن ابی نجیح عن ابیه قال: لما حج معاویة اخذ بید سعد بن ابی وقاص و ادخله دار الندوة فاجلسه معه علی سریرہ ثم ذکر علی بن ابی طالب فوقع فیه۔ فقال: ادخلتنی دارک و اجلستنی علی سریرک ثم وقعت فی علیؓ تشتمه واللہ لان یکون فیّ احدی خلاله الثلاث احب الیّ من ان یکون لی ما طلعت علیه الشمس. و لان یکون لی ما قال له حین غزا تبوکاً " الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا

ابو زرعہ دمشقی عبداللہ بن ابی نجیح کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب معاویہؓ نے حج کیا تو انہوں نے سعد بن ابی وقاص کا ہاتھ سے پکڑا اور دار الندوہ میں لے جا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ پھر علیؓ بن ابی طالب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی عیب جوئی کی۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا: آپ نے مجھے اپنے گھر میں داخل کیا اپنے تخت پر بٹھایا، پھر آپ نے علیؓ کے حق میں بدگوئی اور سب و شتم شروع کر دی۔ خدا کی قسم اگر مجھ میں علیؓ کے تین خصائص و فضائل میں سے ایک بھی ہو تو وہ مجھے اس کائنات سے زیادہ عزیز ہو جس پر سورج

[1] ہو سکتا ہے کہ مولانا مودودی سے کوئی حوالہ رہ گیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطالعۂ کتب سے ایک مجموعی اور مشترک مضمون انہوں نے اخذ کر کے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہو اور کچھ حوالے دے کر بقیہ کو قصداً نظر انداز کر دیا ہو۔ بہر کیف "البدایہ والنہایہ" جس کے دو مقامات کا حوالہ مولانا نے درج کیا ہے، اسی کتاب کے ایک تیسرے مقام پر وہ بات مذکور ہے جسے میں نقل کر رہا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انه لا نبی بعدی احب الی مما طلعت علیه الشمس - ولان یکون لی ما قال له یوم خیبر؟ لاعطین الرایة رجلاً یحب الله ورسوله ویحبه الله ورسوله- یفتح الله علی یدیه لیس بفرار" احب الی مما طلعت علیه الشمس - ولان اکون صهره علی ابنته ولی منها من الولد ماله احب الی من ان یکون لی ما طلعت علیه الشمس، لا ادخل علیک دارا بعد ھذا الیوم، ثم نفض رداءه ثم خرج -

(البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۳۴۱)

طلوع ہوتا ہے۔ کاش کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں یہ فرمایا ہوتا، جب کہ آنحضورؐ غزوۂ تبوک پر تشریف لے گئے، تو آپ نے علیؓ کے حق میں فرمایا "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میرے لیے تم ویسے ہی ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کے لیے تھے، الا یہ کہ میرے بعد نبی نہیں" یہ ارشاد میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ پھر کاش کہ میرے حق میں وہ بات ہوتی جو آنحضورؐ نے خیبر کے روز علیؓ کے حق میں فرمائی کہ "میں جھنڈا اس شخص کو دونگا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں ۔ اللہ اس کے ہاتھ پر فتح دیگا، وہ بھاگنے والا نہیں ہے" یہ ارشاد بھی مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ اور کاش کہ مجھے بھی آنحضورؐ کی دامادی کا شرف نصیب ہوتا اور آنحضورؐ کی صاحبزادی سے میرے ہاں وہ اولاد ہوتی جو علیؓ کو حاصل ہے۔ تو یہ بھی میرے لیے دنیا و مافیہا سے عزیز تر ہوتا۔ آج کے بعد میں آپ کے گھر میں کبھی داخل نہیں ہونگا۔ پھر حضرت سعدؓ نے اپنی چادر جھٹکی اور وہاں سے نکل گئے۔

ممکن ہے کہ مدیر "البلاغ" اس روایت کو بھی "گری پڑی" کہنے کی جرأت کریں اور کتبِ رجال کی ورق گردانی شروع کردیں، مگر میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس کے شواہد و متابعات مسلم اور ترمذی میں بھی موجود ہیں۔ مسلم کی ایک حدیث یہ ہے:

عن عامر بن سعد بن ابی وقاص عن ابیه

حضرت سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے عامر اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قال امر معاویة بن ابی سفیان سعدًا فقال ما منعک ان تسب ابا تراب فقال اما ما ذکرت ثلاثًا قالهن له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلن اسبه لان تکون لی واحدة منهن احب الی من حمر النعم . . . .

(مسلم، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب فضائل علیؓ)

والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت سعد کو حکم دیا اور پھر کہا کہ آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ ابو تراب (حضرت علیؓ) پر سب و شتم کریں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب میں اُن تین ارشادات کو یاد کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمائے تھے تو میں ہرگز ان پر سب و شتم نہیں کر سکتا۔ ان تین مناقب میں سے اگر ایک منقبت بھی میرے حق میں ہوتی تو مجھے سُرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ نے وہ تینوں مناقب بیان کیے جو اوپر البدایہ کی روایت میں مذکور ہو چکے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ تیسرا ارشاد مسلم (اور ترمذی) میں یوں نقل ہے کہ جب یہ آیتِ مباہلہ اُتری کہ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا . . . . . تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا اللّٰھم ھٰؤلاء اھلی (اے میرے اللہ، یہ میرے اہل و عیال ہیں)۔ معنوی لحاظ سے دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض شارحین نے مسلم اور ترمذی کی حدیث کے لفظ سب کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سے مراد بدگوئی نہیں، بلکہ امیر معاویہؓ کی مراد یہ تھی کہ آپ حضرت علیؓ کے اجتہادات و آراء کو غلط اور میرے اجتہاد کو صحیح کیوں نہیں کہتے۔ لیکن یہ توجیہ بالکل بے محل ہے اور لغت یا سیاقِ کلام میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اگر سوال محض اجتہاد کے صواب وخطا کا تھا، تو اس کے جواب میں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب کے بیان کا کیا موقع تھا؟ غلطی یا اجتہادی غلطی تو حضرت علیؓ سے ان فضائل کے باوجود صادر ہو سکتی تھی۔ پھر ابن کثیر کی روایت میں جو نقشہ بیان ہوا ہے کہ امیر معاویہؓ کی بات سُن کر حضرت سعدؓ ایسے برافروختہ ہو گئے کہ دامن جھاڑ کر یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ میں آئندہ آپ کے گھر میں کبھی قدم نہیں رکھوں گا، یہ فعل صاف طور پر صورتِ حال کی سنگینی کو واضح کر رہا ہے[1]۔ فتح الباری باب مناقب علی کی شرح میں مسند ابی یعلی کے حوالے سے حضرت سعدؓ کے یہ

[1] اس حدیث اور لفظ سب کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا ایک جواب فتاویٰ عزیزیہ، مترجم (شائع کردہ سعید کمپنی ص ۴۱۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاظ منقول ہیں : لو وضع المنشار علی مفرقی علی ان اسب علیاً ما سببته ابداً (اگر آری میرے سر پر رکھ کر مجھے علیؓ کی بدگوئی کا حکم دیا جائے تو بھی میں ہرگز ان کی بدگوئی نہ کرونگا)۔

ان روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ امیر معاویہؓ نے سبِ علی کا ایک عام طریقہ رائج کر رکھا تھا حتیٰ کہ انہوں نے حضرت سعدؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی اس کا حکم دیا، حالانکہ وہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے اور دورِ فتن میں بالکل گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے اس فرمائش کی تعمیل نہ کی تو امیر معاویہؓ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے جواب طلبی کی اور حضرت سعدؓ کو صاف بیانی سے کام لینا پڑا۔ ممکن ہے کہ عثمانی صاحب یہاں نکتہ اٹھائیں کہ اس میں منبر کا ذکر نہیں ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ایسا فعل جس کا دوسروں کو امر کیا جائے اور جس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں بازپرس کی جائے کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس کا ارتکاب علانیہ نہ ہو۔ پھر بالفرض اگر یہ فعل منبر پر کھڑے ہو کر نہیں بلکہ سریر پر بیٹھ کر کیا جائے تو کیا قباحت میں کوئی کمی واقع ہو جاتی ہے؟ بلکہ ایک طرح سے پرائیویٹ مجلس میں سب وشتم اپنے ساتھ اغتیاب کو بھی جمع کر لیتا ہے۔

سبِ علی کو بالکل ایک غیر واقعی مفروضہ ثابت کرنے کے لیے عثمانی صاحب نے جو دُور از کار دلائل دیئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے قتل پر حضرت معاویہؓ رونے لگے اور ان کی اہلیہ نے کہا کہ آپ رونے کیوں ہیں جبکہ زندگی میں آپ ان سے لڑتے رہے۔ اس سے عثمانی صاحب نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ دیکھو

یہں موجود ہے جس میں فرماتے ہیں: "بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہر معنی سمجھا جائے۔ غایۃ الامر اس کا یہی ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح کا یعنی سب یا حکمِ سب حضرت معاویہؓ سے صادر ہونا لازم آئے گا۔ تو یہ کوئی اول امرِ قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے۔ اس واسطے کہ درجہ سب کا قتل وقتال سے بہت کم ہے، چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سباب المؤمن فسوق وقتالہ کفر یعنی بُرا کہنا مومن کو فسق ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے۔ اور جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے، اس سے چارہ نہیں، تو بہتر یہی ہے کہ اُن کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبانِ طعن ولعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہؓ سے اُن کی شان میں کہا جاتا ہے جن سے زنا اور شرب خمر سرزد ہوا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اور ہر جگہ خطاء اجتہادی کو دخل دینا بیباکی سے خالی نہیں"۔ انتہی (ترجمہ باقی تو صحیح ہے، البتہ بیباکی کی سماحت کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ بیباکی کے بجائے فیاضی یا دریادلی مناسب تھا۔ غ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی اہلیہ نے یہ کہا کہ آپ لڑتے رہے، یہ نہیں کہا کہ سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے رہے، اس سے ثابت ہوا کہ آپ سبِ علیؓ نہیں کرتے تھے۔ سبحان اللہ کیا نرالا استدلال ہے! اس کا جواب تو وہی ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے دیا ہے کہ خلیفۂ راشد و برحق کے خلاف بغی و قتال تو سباب سے بڑھ کر اور شدید تر ہے۔ ایسی صورت میں امیر معاویہؓ کی اہلیہ محترمہ قتال کو چھوڑ کر سب وشتم کا ذکر کیا کرتیں۔ باقی مجھے اس رونے پر کسی شاعر کا یہ شعر بے اختیار یاد آگیا۔

آئے تربت پہ مری، روئے، کیا یاد مجھے
خاک اُڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے

واقعہ یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کے رونے سے تو در اصل یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا ضمیر خود جانتا تھا کہ خلیفۂ وقت سے لڑ کر انہوں نے کس خطائے عظیم کا ارتکاب کیا تھا، اور ان کا دل خوب جانتا تھا کہ بغاوت کے جُرم سے قطع نظر، علیؓ جیسے شخص کے مقابلہ میں بجائے خود ان کا دعوائے خلافت کس قدر بے جا تھا۔ اس رونے سے یہ دلیل نہیں لائی جا سکتی کہ وہ ان کی مخالفت میں سرگرم نہ تھے، بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس انسان سے وہ لڑتے رہے، اس کے فضل و کمال کا انہیں خود اعتراف تھا۔

پھر عثمانی صاحب نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ بُسر بن اَرطاۃ نے حضرت معاویہؓ اور حضرت زید بن عمرؓ بن خطاب کی موجودگی میں، حضرت علیؓ پر سب وشتم کیا تو حضرت معاویہؓ نے فرمایا تم علیؓ کو گالی دیتے ہو حالانکہ وہ اِن (حضرت زید) کے دادا ہیں۔ عجیب بات ہے کہ اس واقعہ سے بھی یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ امیر معاویہؓ اور آپ کے گورنر سبِّ علیؓ کے الزام سے بری الذمہ ہیں، حالانکہ اس واقعہ سے تو یہ ثبوت مل رہا ہے کہ گورنروں میں اتنی جرأت اور بیباکی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ امیر معاویہؓ کے سامنے اور حضرت علیؓ کے عزیزوں کی موجودگی میں بھی حضرت علیؓ کو گالیاں دینے سے نہیں چوکتے تھے۔ بُسر بن اَرطاۃ مدینے میں امیر معاویہؓ کا گورنر تھا۔ اس نے جب یہ حرکت کی تو بلاشبہ پہلے آپ نے اسے ٹوکا۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ اسے البلاغ میں نقل نہیں کیا گیا۔ امام طبریؒ فرماتے ہیں، ثم ارضاھما جمیعاً (پھر امیر معاویہؓ نے دونوں کو راضی کر دیا) حالانکہ حضرت زید کا راضی ہونا کیا ہوگا، سوائے اس کے کہ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے ہوں گے۔ ایک شخص آپ کے سامنے ایک وفات یافتہ صحابی کی شان میں گستاخی کرے اور آپ اس کے فعل پر تو ناراض نہ ہوں، البتہ اس بات پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرفت کریں کہ اس شخص نے سوخات یافتہ بزرگ کی اولاد کی موجودگی میں یہ حرکت کی تھی۔ پھر اس دوہری بیہودگی پر سزا کوئی نہیں، بلکہ دونوں میں راضی نامہ کرا دیا! یہ ہے صفائی کا وہ بیان جسے عثمانی صاحب بڑے اطمینان کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی طرف سے پیش فرما رہے ہیں۔ شاید آج بھی اگر کوئی شخص کسی سید کے سامنے حضرت علیؓ کو گالی دے تو عثمانی صاحب صرف دونوں کے درمیان راضی نامہ کرا دینے کو کافی سمجھیں گے۔

پھر مولانا محمد تقی صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا مودودی کا دعویٰ اس وقت ثابت ہو سکتا ہے جب وہ حضرت معاویہؓ کے تمام گورنروں کی ایک فہرست جمع کر کے ہر ایک کے بارے میں ثابت فرمائیں کہ اس نے انفرادی یا اجتماعی طور پر حضرت علیؓ کو گالیاں دی تھیں اور امیر معاویہؓ نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ میری طرف سے اس منطق کا جواب یہ ہے کہ جب مختلف و متنوع روایات یہ بات بیان کر رہی ہوں کہ امیر معاویہؓ خود بھی ایسا کرتے تھے، ان کے بعض گورنر بھی ایسا کرتے تھے اور بعض گورنروں کو ایسا کرنے کا حکم امیر معاویہؓ نے دیا تھا، تو یہ ساری تاریخی روایتیں مل جل کر اس امر کا کافی و وافر ثبوت بہم پہنچا دیتی ہیں کہ یہ سلسلۂ واقعات ایک طے شدہ پالیسی کی مختلف کڑیاں تھیں۔ کسی ایک یا دو عاملوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی اُپج سے اس امر عظیم کا ارتکاب کرتے اور عامۃ المسلمین یا خود امیر معاویہؓ اس سے اغماض برتتے۔ پھر امیر معاویہؓ کا حضرت سعدؓ سے ان الفاظ میں بازپرس کرنا کہ "آپ کو کس بات نے سبِّ علیؓ سے روک رکھا ہے" صاف بتا رہا ہے کہ خلوت و جلوت میں اس رسم کا چلن عام ہو چکا تھا اور حضرت سعدؓ کا اس ڈگر پر نہ چلنا معمول کے خلاف ہونے کی وجہ سے کھٹک رہا تھا۔ مولانا مودودی نے جو روایات نقل کی ہیں ان کے متعلق مدیر البلاغ لکھتے ہیں کہ ان کو تھوڑی دیر کے لیے درست مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ دو گورنروں پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہا کرتے تھے، اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ حضرت معاویہؓ کے تمام گورنر خود آپ کے حکم سے ایسا کرتے تھے۔ حالانکہ ایک آدھ گورنر تک اگر یہ فعل محدود ہوتا تو دو صورتوں سے خالی نہ ہوتا۔ اگر خود امیر معاویہؓ یا دوسرے گورنر اس فعل کو نہ کرتے اور صرف ایک یا دو گورنروں کو حکم ہوتا تو وہ جواب میں ضرور کہتے کہ آخر آپ خود جب یہ کام نہیں کرتے اور کسی دوسرے سے بھی اس کا مطالبہ نہیں ہے تو ہم سے اس کی توقع کیوں کی جاتی ہے؟ اور اگر امیر معاویہؓ کی مرضی کے خلاف کوئی گورنر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذاتی کد یا پرخاش کی بنا پر ایسا کرتا تو اس کو ضرور سرزنش کی جاتی۔ لیکن جن گورنروں کا واقعہ مذکور ہے، ان کے بارے میں ایسی کوئی تصریح منقول نہیں کہ انہوں نے کوئی ایسی معذرت پیش کی ہو یا کسی بدگوئی کرنے والے گورنر سے کوئی احتساب کیا گیا ہو۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں سبِ علیؓ کو رواج دینے کا ثبوت تاریخ کے علاوہ مزید حدیث کی کتابوں سے بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر مسند احمد میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی متعدد روایات موجود ہیں کہ آپ نے بعض اصحاب سے کہا "ایسبّ رسول اللہ فیکم علی المنابر" (کیا تم لوگوں کے ہاں منبروں پر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کا ارتکاب کیا جاتا ہے؟)۔ لوگوں نے پوچھا "انّٰی ذالک" (وہ کیسے؟)۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا "الیس یُسبّ علیٌ ومن احبه؛ اشهد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحبه" (کیا علیؓ پر سب و شتم نہیں کیا جاتا اور کیا اس طرح اُن پر (یعنی آنحضورؐ پر) جو علیؓ سے محبت رکھتے تھے سب و شتم نہیں ہوتا؟ میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ سے محبت رکھتے تھے)۔

ان احادیث میں منبروں پر جس سب و شتم کا ذکر ہے وہ بالیقین عہد معاویہؓ ہی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ حضرت ام سلمہؓ کی وفات امیر معاویہؓ کی وفات سے ایک سال پہلے ۵۹ھ میں ہو چکی تھی۔ ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب الخلفاء میں ایک حدیث حضرت سعیدؓ بن زید سے مروی ہے کہ وہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آ کر حضرت علیؓ پر لگاتار سب و شتم شروع کر دیا (سبّ وسبّ)۔ مسند احمد، مرویات سعیدؓ بن زید میں تصریح ہے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کوفہ کے گورنر وہاں موجود تھے اور ان کے سامنے یہ سب ہو رہا تھا۔ حضرت سعیدؓ نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں کیا دیکھ نہیں رہا کہ اصحابِ رسولؐ پر آپ کے رو برو یہ سب و شتم ہو رہا ہے اور آپ اس پر کوئی نکیر و انسداد نہیں کرتے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے (اور میں آنحضورؐ کی جانب ایسا قول منسوب نہیں کر سکتا جس پر آپ کل مجھ سے بازپرس کریں) کہ آپ فرماتے تھے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ . . . جنت میں ہوں گے۔" حضرت سعیدؓ نے عشرۂ مبشرہ کے اسمائے گرامی گنوائے جن میں سے ایک آپ خود بھی تھے۔ یہ حدیث مسند احمد کے علاوہ تاریخ بخاری، اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے جیسا کہ علامہ احمد محمد شاکر نے اپنے محشّٰی نسخے کی جلد ۳، صفحہ ۱۰۱ پر واضح کیا ہے۔ پھر مسند احمد کے

© rasailojaraid.com

اسی نسخے کے ص۱۱ اور ص۱۲ پر مزید تین احادیث درج ہیں جن میں ہے کہ خطب المغیرۃ بن شعبۃ فنال من علیؓ (مغیرہؓ بن شعبہ نے خطبے میں حضرت علیؓ کی بدگوئی کی)، تو حضرت سعیدؓ بن زید نے انہیں وہیں ٹوکا اور فرمایا کہ "دس اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ایک علیؓ ہیں اور حیرت ہے کہ ان پر سب و شتم ہو رہا ہے"۔ استاد شاکر جو محدثانہ طریق کے مطابق ہر حدیث کی سند پر بحث و تنقید کرتے ہیں، انہوں نے ان سب احادیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت سعیدؓ ابن زید تو خیر نہایت جلیل القدر صحابی تھے اور عشرہ مبشرہ[1] میں سے تھے، اس لیے ان کے منصب و مرتبہ کا یہ ناگزیر تقاضا تھا کہ وہ اس مکروہ رسم کے خلاف صدائے احتجاج بلند فرماتے۔ لیکن یہ خیال کرنا بالکل غلط اور تاریخی تصریحات کے قطعی خلاف ہے کہ دوسرے سب لوگوں نے اس چیز کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیا تھا۔ مگر میں بوجوہ مزید تفصیلات ترک کر رہا ہوں۔ اہل عقل و درایت کے لیے اتنی بحث بھی کفایت کرتی ہے۔

حضرت علیؓ پر سب و شتم کا یہ سلسلہ اگر حضرت علیؓ کی زندگی تک محدود رہتا اور آپ کی شہادت کے بعد ختم ہو جاتا تب بھی یہ کہا جا سکتا تھا کہ چلیے، جب آپ اپنے رب کے حضور میں پہنچ گئے تو ساری تلخیاں بھلا دی گئیں۔ مگر افسوس کہ یہ بُری رسم امیر معاویہؓ کے عہد اور اس کے بعد تک جاری رہی۔ چنانچہ حضرت سعدؓ کا جو واقعہ حدیث و تاریخ سے اوپر نقل ہوا ہے، وہ بھی حضرت علیؓ کی وفات کے بعد کا ہے، کیونکہ جنگ و جدال کے زمانے میں حضرت سعد سب سے الگ تھلگ عقیق میں انزوا پزیر ہو گئے تھے اور اس زمانے میں حضرت معاویہؓ کو بھی حرمین میں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ البتہ حضرت حسنؓ سے صلح ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ حج کے لیے آئے اور مدینہ بھی تشریف لے گئے۔ اسی وقت حضرت سعدؓ سے بھی ملاقات ہوئی

---

[1] عشرہ مبشرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دس صحابہ کبار ہیں جنہیں آپؐ نے جنت کی خصوصی بشارت دی تھی۔ ان میں سے حضرت سعدؓ ان سات صحابۂ کرام میں شامل ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے اور آنحضورؐ کے ہمراہ ہر غزوے میں شامل رہے۔ اسی طرح حضرت سعیدؓ بن زید بھی نہایت قدیم الاسلام صحابی اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ آپ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی بھی تھے اور انہی کی تبلیغی مساعی سے حضرت عمرؓ داخل اسلام ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور باہم سوال وجواب کی نوبت آئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب علیؓ دنیا سے اٹھ گئے اور تلواریں نیام میں آ گئیں، اس وقت بھی جراحات اللسان کا انسداد نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ جب امیر معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کے مابین مصالحت ہوئی ہے اور صلحنامہ لکھا جا رہا تھا تو حضرت حسنؓ نے ایک شرط یہ بھی لکھوائی کہ ہمارے سامنے بر سرِ عام ہمارے والد محترم پر سب وشتم نہ ہو۔ چنانچہ امام ابن جریرؒ اپنی تاریخ (ج ۴، ص ۱۲۲) میں فرماتے ہیں:

صالح الحسن معاویة .... علی ان لا یشتم علی وھو یسمع۔

حسنؓ نے معاویہؓ سے (علاوہ دیگر شرائط کے) اس شرط پر مصالحت کی کہ علیؓ پر سبّ وشتم نہ کیا جائے درآں حالیکہ میں اُسے سن رہا ہوں۔

ابن کثیرؒ نے البدایہ جلد ۸ ص۱۴ پر شرائطِ صلح میں سے ایک شرط یہ بیان کی ہے:

وان لا یُسَبَّ علی وھو یسمع فاذا فعل ذالک نزل عن الامر۔

اور یہ کہ حضرت علی پر سبّ وشتم نہ کیا جائے جبکہ وہ (حضرت حسنؓ) اسے سن رہے ہوں۔ جب امیر معاویہؓ نے یہ شرط مان لی تو حضرت حسنؓ امارت سے دستبردار ہو گئے۔

ابن اثیرؒ نے الکامل میں ج ۳، ص۲۰۳ پر جو مزید تفصیل درج کی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے مطالبہ کیا کہ:

ان لا یشتم علیاً فلم یجبه الی الکف عن شتم علی فطلب ان لا یشتم وھو یسمع فاجابه الی ذالک ثم لم یف له ایضاً۔

امیر معاویہؓ حضرت علیؓ پر سبّ وشتم نہ کریں۔ لیکن امیر معاویہؓ نے شتمِ علیؓ سے رکنے کا مطالبہ تسلیم نہ کیا۔ پھر حضرت حسنؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ کم از کم امیر معاویہؓ ایسی حالت ہی میں سبّ وشتم نہ کریں جبکہ وہ (حسنؓ) سُن رہے ہوں۔ امیر معاویہؓ نے یہ بات مان لی لیکن انہوں نے یہ شرط بھی پوری نہ کی۔

ابن اثیرؒ کی روایت زیادہ جامع اور مفصل بھی ہے اور اس سے ابن کثیرؒ اور طبریؒ کی روایت سمجھنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ طبریؒ اور ابن کثیرؒ مجملاً یہ بیان کرتے ہیں کہ صلحنامہ کی شرط یہ تھی کہ امام حسنؓ کو سُنا کر حضرت علیؓ پر سب وشتم نہ ہو۔ اور ابن اثیرؒ نے پوری تفصیل یہ بیان کی ہے کہ پہلے تو امام حسنؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ شتمِ علی کا کلیتہً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسداد کیا جائے۔ لیکن امیر معاویہؓ نے اسے تسلیم نہ کیا تو امام حسنؓ نے اتنی بات منوانے پر اکتفا کیا کہ ان کے سامنے ہی کم سے کم ان کے والد ماجد کی بُرائی نہ ہو۔ امیر معاویہؓ نے اس شرط کو صلحنامے میں شامل کر لیا مگر اس کی پابندی نہ کی۔ محمد تقی صاحب جس طرح سبِّ علیؓ کو ایک غیر واقعی مفروضہ بنا کر پیش کر رہے ہیں، اگر فی الحقیقت اسی طرح یہ ایک خیالی داستان تھی یا ایک آدھ فرد سے احیاناً انفرادی طور پر سبّ و شتم کا صدور ہوا تھا تو صلحنامے کی دستاویز لکھتے وقت حضرت حسنؓ کی طرف سے اس مطالبہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اور اگر یہ بات خلافِ واقعہ تھی تو کیوں نہ امیر معاویہ نے پلٹ کر فرمایا کہ ہم میں سے کون ہے جو اس فعل کا ارتکاب کرتا ہے؟
واقعہ یہ ہے کہ اکثر مؤرخین و محدثین نے سبِّ علیؓ کا ذکر اسی انداز سے کیا ہے گویا کہ یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے جس میں اختلاف نہیں۔ مثال کے طور پر ابن حجرؒ فتح الباری، کتاب المناقب میں حضرت علیؓ کے مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم كان من امر علی ما كان فنجمت طائفة اُخرى حاربوه ثم اشتد الخطب فتنقصوه و اتخذوا لعنه على المنابر سنة ووافقهم الخوارج على بغضه ....

پھر حضرت علیؓ کے معاملہ میں پیش آیا جو کچھ کہ پیش آیا۔ پھر ایک دوسرا گروہ اٹھا جس نے آپ سے لڑائی کی۔ پھر ہنگامہ شدت اختیار کر گیا اور ان محاربین نے حضرت علیؓ کی عیب جوئی کی اور منبروں پر آپ کو لعن طعن کرنا اپنا طریقہ اور قاعدہ بنا لیا اور خوارج نے بغضِ علیؓ کے باعث اُن کی ہمنوائی کی۔

محاربین کے اس گروہ سے مراد صاف طور پر امیر معاویہؓ اور آپ کے ساتھی اور عاملین ہیں جو اس مہم میں سرگرم تھے۔ اب ان تمام حقائق و شواہد سے آنکھیں بند کر کے سبِّ علیؓ کا سرے سے انکار کر دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ مرزا حیرت دہلوی نے حادثۂ کربلا کا انکار اس دلیل کی بنا پر کر دیا تھا کہ اُمّتِ محمدیہ کا کوئی فرد اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل نہیں کر سکتا!

میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے پر مزید بحث ہو چکی اور سبِّ علیؓ کے خلافِ واقعہ اور غیر ممکن الوقوع ہونے کے حق میں جو نقلی و عقلی استدلال عثمانی صاحب نے کیا ہے، اس کا جواب دیا جا چکا۔ تاہم یہ مناسب ہے کہ مولانا مودودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی پیش کردہ روایات پر جو تنقید کی گئی ہے، اس پر بھی کچھ کلام کیا جاتا ہے۔ ابن جریرؒ اور ابن اثیرؒ کی جو روایت مولانا نے نقل کی ہے، اس میں صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو کوفے کا گورنر بناتے وقت ہدایت کی کہ "علیؓ کی مذمت کرنے اور انہیں گالی دینے سے پرہیز نہ کرنا"۔ عثمانی صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ اس روایت سے آگے یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت مغیرہؓ صرف حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے لیے بددعا کرتے تھے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ بات صاف ہے کہ امیر معاویہؓ نے واضح الفاظ میں سب و شتم علیؓ کا حکم دیا۔ اب اگر مغیرہؓ بن شعبہ نے اس کی تعمیل نہیں کی تو قابلِ ستائش ان کا فعل ہے نہ کہ امیر معاویہؓ کا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سُننِ ابی داؤد اور مسند احمد وغیرہ کی روایات کے بعد اس امر میں کوئی شک نہیں رہتا کہ حضرت مغیرہؓ خطبوں میں سب و شتم کرتے تھے۔ حضرت مغیرہؓ نے اگر کبھی نام لے کر حضرت علیؓ پر لعن طعن نہیں کی تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ آپ ایک مدبر انسان تھے۔ آپ ہر مرتبہ نام لے کر بُرائی نہیں کرتے ہوں گے، بلکہ بعض اوقات گول مول انداز میں امیر معاویہؓ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوں گے تاکہ وہ بھی راضی رہیں اور کوفہ، جو شیعانِ علی کا گڑھ تھا، وہاں کی گورنری میں ان کی عزت و آبرو بھی خطرے میں نہ پڑے۔ امیر معاویہؓ اور آپ کے طرفدار برملا حضرت علیؓ کو قاتلِ عثمانؓ کہتے تھے، اس لیے اس پس منظر میں جب قاتلینِ عثمانؓ پر بددعا کی جائے گی تو آپ سے آپ حضرت علیؓ پر بھی چوٹ مقصود ہو گی اور بسا اوقات تعریض تصریح سے زیادہ کارگر اور مفیدِ مطلب ہوتی ہے۔

رُواۃِ تاریخ کی بحث اس کے بعد محمد تقی صاحب نے دوسری اہم ترین بات کے نام سے راویوں کا ذکر چھیڑ دیا ہے کہ اس روایت کے راوی شیعہ، کذاب اور مجہول ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جب سے خلافت و ملوکیت لکھی گئی ہے ہر شخص کتبِ رجال کے دفتر لے کر بیٹھ گیا ہے اور ایک ایک روایت کے راویوں کے حالات سنا رہا ہے کہ وہ ایسا تھا اور ایسا تھا حتیٰ کہ یہ رَے اتنی بڑھ گئی ہے کہ جن واقعات و روایات کو بعض حضرات خود اپنی کتابوں میں بلا تنقید نقل کر چکے ہیں، اب خلافت و ملوکیت میں انہی روایات کو دیکھ کر وہی حضرات ان میں کیڑے نکال رہے ہیں۔ یہ مسئلہ اور یہ صورتِ حال متعدد پہلوؤں سے محتاجِ غور و فکر ہے۔ اس پر مفصل بحث تو مستقل مضمون ہی میں کی جا سکتی ہے، تاہم یہاں چند اشارات پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اوّلین سوال جو اس سلسلے میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ راوی اگر ایسے ہی جھوٹے، لپاٹیے اور جلے بھُنے شیعہ تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ان کی تاریخی روایات بھی غلط اور ناقابلِ اعتماد تھیں تو ان جھوٹی روایات کو ہمارے ان مؤرخین نے کیوں اخذ کیا جو اہلِ سنت کے ائمہ مورخین شمار ہوتے ہیں؟ اس کے جواب میں مدیرِ "البلاغ" اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ ان مؤرخین نے ہر روایت کی سند بیان کر کے یہ ذمہ داری ہم پر ڈال دی ہے کہ ہم جھوٹ سچ کا فیصلہ خود کرتے ہیں۔ یہ جواب متعدد وجوہ سے غلط اور ناقابلِ قبول ہے۔

پہلی وجہ یہ کہ یہ مؤرخین خود اعلیٰ پائے کے محدث اور فنِ رجال کے ماہر تھے۔ وہ ان راویوں کے حالات ہم سے ہزار درجہ بہتر جانتے تھے، بلکہ انہی میں سے بعض کی کتابیں ہمیں بتاتی ہیں کہ فلاں راوی شیعہ تھا یا سُنی تھا، ثقہ تھا یا ضعیف تھا۔ ان مؤرخین سے یہ ارشادِ نبوی بھی مخفی نہ تھا کہ کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع (ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو بات بھی سُنے اسے آگے بیان کر دے)۔ اب اگر ان راویوں کے بیان کردہ تاریخی واقعات سب کے سب جھوٹ کے پلندے تھے تو محض سند بیان کر کے یہ محدثین و مؤرخین جھوٹ کی اشاعت کے گناہ سے بری الذمہ کیسے ہو جائیں گے؟ انہوں نے تو ان جھوٹی خبروں کے سلسلۂ اسناد میں خود اپنے آپ کو بھی شامل کر لیا۔ اگر معاملہ پانچ، دس یا سو پچاس روایات کا ہوتا تو معاملہ دوسرا تھا، لیکن ان راویوں کے بیانات سے تو ہماری تاریخیں لبریز ہیں۔ ان ساری روایات کو جھوٹا قرار دینے کے بعد آخر ہم اپنے مؤرخین کی ثقاہت و دیانت کو کیسے بچا سکتے ہیں؟ ان مورخین کو چاہیے تھا کہ اوّل تو وہ تاریخ لکھنے ہی نہ بیٹھتے اور اس کارِ بے خیر میں اپنی عمریں نہ کھپاتے۔ اور بالفرض اگر انہیں یہ کام کرنا ہی تھا، تو پھر چاہیے تھا کہ جس طرح حدیثِ نبوی کے صحاح اور موضوعات کے مجموعے الگ الگ تیار کیے گئے تھے اسی طرح صحیح اور مکذوب تاریخی روایات کے مجموعے بھی وہ الگ الگ مرتب کر دیتے۔ ایسا ممکن نہیں تھا تو ہر روایت کے آخر میں اس کے صحیح یا سقیم ہونے کی وضاحت کر دی جاتی یا کم از کم کتاب کے شروع یا آخر ہی میں یہ تصریح کر دی جاتی کہ اس میں فلاں فلاں راویوں کی روایتیں ساقط الاعتبار ہیں۔ اگر ابتدائی مؤرخین نے یہ کام نہیں کیا تھا تو اس کے بعد جب یہ تاریخیں پوری امت میں شائع و ذائع ہوئیں اور دوسرے اہلِ علم تک پہنچیں، تو ان سے یہ توقع ہو سکتی تھی کہ اگر ان کے نزدیک ہی یہ سب جھوٹ کے طومار تھے تو وہی ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے اور مسلمانوں کی ایک نسل سے دوسری نسل تک انہیں منتقل نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے دیتے۔ ابن جریرؒ کے خلاف تشیّع کا الزام عائد کیا جاتا ہے، اگرچہ بالکل بے جا ہی ہے تاہم اگر وہ شیعہ تھے تو کیا ابو حنیفہ دینوری، ابن اثیرؒ، ابن کثیرؒ، ذہبیؒ، ابن عبد البرؒ، ابن حجرؒ سبھی شیعہ تھے کہ وہ سب کم و بیش وہی روایات نقل کرتے چلے آئے جن کے خلافت و ملوکیت میں درج ہونے پر اتنی ہنگامہ آرائی ہو رہی ہے؟ یہ بات بالکل مضحکہ خیز ہے کہ ایک طرف انہوں نے جھوٹی روایات سے اپنی کتابوں کا پیٹ بھر دیا اور دوسری طرف سند ساتھ لگا کر یہ کام دوسروں کے سپرد کر دیا کہ وہ جھوٹ اور سچ کے درمیان خود ہی امتیاز کرتے رہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کتب تواریخ کا مطالعہ کرنا چاہے، وہ پہلے اپنے پاس لسان المیزان، تہذیب التہذیب، کتاب الجرح والتعدیل وغیرہ کی ضخیم مجلدات رکھے اور پھر ہر روایت کے رجال کی چھان بین ان کتابوں میں کرتا رہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب رجال تحقیقِ حدیث کے لیے مدون کی گئی ہیں اور ان کی تجریحات کو تاریخی روایات اور ان کے راویوں پر چسپاں کرنا اصولاً صحیح نہیں۔

پھر یہ دعویٰ بھی خلاف واقعہ ہے کہ ان میں سے ہر مؤرخ نے اپنی تاریخ میں سند بیان کرنے کا التزام واہتمام کیا ہے۔ ایک طرف ابن جریرؒ ہیں جو ہر روایت کی سند دیتے ہیں اور دوسری طرف ابو حنیفہ دینوری ہیں جو ابن جریر کے ہم عصر بلکہ ان سے متقدم ہیں[1]، وہ اپنی تاریخ "الاخبار الطوال" میں سند کا شاذ و نادر ہی ذکر کرتے ہیں بلکہ قال یا قالوا کہہ کر واقعہ بیان کرتے ہیں اور ان کی تاریخ نہایت مستند اور اہم ترین ماخذ تاریخ شمار کی جاتی ہے۔ پھر مؤرخین متاخرین میں سے بہت سے ایسے ہیں (مثلاً ابن اثیر الجزری، ابن خلدون) جو سند کو بالعموم حذف کر دیتے ہیں۔ اب ان کی روایات کی سند کس طرح جانچی جائے گی؟ یا ان کتابوں کو دریا برد کر دیا جائے گا؟ میں یہاں ایک مثال پیش کر کے وضاحت مدعا کرتا ہوں۔ مولانا مودودی کی نقل کردہ زیر بحث روایت کا ایک راوی ابو مخنف ہے جسے ابن عدیؒ کے حوالے سے محقق صاحب نے کھلا ہوا شیعہ قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی کے دوسرے بہت سے ناقدین نے بھی اس راوی کو بے تحاشا گالیاں دی ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ ابن جریرؒ کی دورِ فتن کی تاریخ کا تقریباً اسّی نوّے فی صد حصہ

---

[1] ابن جریرؒ کا سن ولادت ۲۲۴ھ اور سن وفات ۳۱۰ھ ہے جبکہ ابو حنیفہ دینوری سنہ ۲۱۰ھ یا چند سال قبل پیدا ہوئے اور سنہ ۲۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر یہ کیا قِسمَۃٌ ضِیزیٰ ہے کہ ایک ہی راوی کی روایت اگر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بیان فرمائیں تو سر آنکھوں پر اور اگر مولانا مودودی بیان کریں تو انہیں رجوع اور توبہ کے مشورے دیئے جائیں؟ اس کے جواب میں محمد تقی صاحب شاید یہی کہیں گے کہ مولانا مودودی کی روایت سے امیر معاویہؓ پر سب و شتم کا الزام آتا ہے۔ مگر یہ عجیب لطیفہ ہے کہ اسی روایت کے آخری حصے سے آپ خود حضرت معاویہؓ کی اس الزام سے براءت ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے صرف قاتلینِ عثمانؓ پر لعنت کی ہدایت کی تھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس روایت کے راوی بغضِ معاویہ میں جل بھن کر خاکستر ہو چکے تھے تو انہوں نے روایت کے آخری حصے میں وہ بات کیسے بیان کر دی جو آپ کے خیال میں پہلے حصے کی تردید کر رہی ہے اور الزامِ شتم کو کمزور بنا رہی ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ راوی از اول تا آخر ایسی روایت گھڑتے جس سے آپ براءتِ معاویہؓ کا کوئی پہلو نہ نکال سکتے[1]۔ ان راویوں نے تو بڑا کرم کیا کہ حضرت مغیرہؓ کے فعل سب کو اس ناگفتہ انداز میں بیان کیا جس طرح ابوداؤد اور مسند احمد کے ثقہ اور سنی راویوں نے بیان کیا ہے۔

اب میں مولانا مودودی کی نقل کردہ دوسری روایت کو لیتا ہوں جس میں مذکور ہے کہ مروان جب امیر معاویہ کی طرف سے مدینے کا گورنر تھا تو وہ ہر جمعہ کو حضرت حسنؓ کے سامنے منبر پر سبِ علیؓ کا ارتکاب کرتا تھا۔ محمد تقی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ روایت البدایہ والنہایہ کے اصل مصری نسخے میں موجود نہیں ہے۔ مزید یہ کہ اس میں لکھا ہے کہ مروان کا انتقال طائف میں ہوا[2] حالانکہ اس کی وفات مدینہ یا دمشق میں ہوئی اور اس روایت

---

[1] مولانا مودودی کے تمام ناقدین کا یہی حال ہے کہ وہ تردید میں جو روایات پیش کرتے ہیں وہ بھی بالعموم انہی مجروح راویوں کی ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ حضرات یا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں مؤرخ یا راوی شیعہ ہے مگر نسبتۃً معتبر ہے اس لیے اس کی روایت قابلِ قبول ہے۔ یا راوی کے ذکر کو حذف کر دیتے ہیں۔ اگر یہ راوی جھوٹے ہیں تو ان کی ہر روایت مکذوب اور ناقابلِ استناد ہونی چاہیے۔

[2] روایت میں مروان کا نہیں بلکہ اس کے باپ حکم کا طائف میں مرنا مذکور ہے۔ عبارت یہ ہے:

قد کان ابوہ الحکم من اکبر اعداء النبیؐ وانما اسلم یوم الفتح وقدم المدینۃ ثم طردہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الطائف ومات بھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب الفتن میں فرماتے ہیں: "وقد وردت احادیث فی لعن الحکم والد مروان وما ولد، اخرجہما الطبرانی وغیرہ"

عثمانی صاحب نے بخاری کی ایک روایت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "مروان کے سب و شتم کی حقیقت بس اتنی تھی کہ وہ حضرت علیؓ کو ابو تراب کہتا تھا جس کے معنی ہیں مٹی کا باپ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبت میں اس نام سے پکارتے تھے، مروان زیادہ سے زیادہ اسے اس کے حقیقی معنوں میں استعمال کرتا ہوگا" لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے۔ امام بخاریؒ کا یہ عام قاعدہ ہے کہ وہ ہر مقام پر حدیث کو تمام بیان نہیں کرتے، بلکہ ترجمۃ الباب کی مناسبت سے جس مسئلے یا فقہی جزئیے کو حدیث سے مستنبط کرنا چاہتے ہیں، صرف اتنا ٹکڑا متن میں لاتے ہیں۔ یہاں بھی چونکہ اصل مسئلہ حضرت علیؓ کے مناقب کا اثبات ہے اس لیے امام بخاریؒ نے حدیث کا صرف وہ حصہ روایت کیا ہے جس سے حضرت علیؓ کی منقبت ثابت ہوتی ہے۔ تاہم عثمانی صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ مروان ابو تراب سے بس "مٹی کا باپ" مراد لیتا تھا۔ عربی میں ابو کا لفظ بطور مضاف صرف باپ کے معنی میں نہیں آتا، "والے" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ابو ہریرہؓ کے معنی بھی بلی کے باپ نہیں بلکہ بلی والے کے ہیں۔ مروان طنزاً اس لفظ کو خاک آلود کے معنی میں استعمال کرتا تھا۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے حامیوں کو بھی امیر معاویہؓ کے گورنر اور ساتھی ترابیہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت حُجرؓ بن عدی کے خلاف جب کوفے کا گورنر زیاد بغاوت کا مقدمہ بنا رہا تھا تو اس نے جو خط امیر معاویہؓ کو اس سلسلے میں لکھا اسے تاریخ طبری، جلد ۴، صفحہ ۲۰۰ پر نقل کیا گیا ہے، اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

ان الطواغیت فی ھذہ الترابیۃ السبائیۃ رأسھم حجر بن عدی، خالفوا امیرالمؤمنین۔

اس ترابیہ سبائیہ گروہ کے طاغوتوں نے، جن کا سردار حُجر بن عدی ہے۔ امیرالمومنین کی مخالفت شروع کر رکھی ہے۔

ظاہر ہے کہ زیاد کا یہ خط جو بالآخر حُجرؓ بن عدی کے قتل کا محضر نامہ ثابت ہوا، اس میں اُن کے لیے ترابیہ کا لفظ (اور وہ بھی سبائیہ کے ساتھ) نہ تعریفی جملہ ہو سکتا ہے، نہ اس سے فقط لغوی معنی مراد ہو سکتے ہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے یقیناً تحقیر آمیز مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب خاک آلودہ اور خائب و خاسر ہوتا ہے[1]۔

مروان اور بنو مروان کا یہ توہین آمیز رویہ اہلِ بیت ہی تک محدود نہ تھا۔ وہ حضرت اسماءؓ کو بھی دو کمر بندوں والی، ذات النطاقین کے نام سے اس لیے پکارتے تھے کہ اس سے ان کی تذلیل و تخفیف ہو۔ اس کے جواب میں حضرت اسماءؓ بھی فرماتی تھیں کہ ان لوگوں کو کیا معلوم کہ یہ لفظ (ذات النطاقین) تو وہ لقب ہے جو مجھے اس لیے عطا کیا گیا تھا کہ میں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا کہ میں ایک ٹکڑے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا توشہ دان ڈھانپ دوں اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد حضرت ابوبکرؓ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ رہے تھے۔ یہ قصہ صحاح کی متعدد احادیث میں مروی ہے۔

میرا خیال ہے کہ سبِ علیؓ کی بحث طویل ہو گئی اس لیے میں اسے ختم کر رہا ہوں۔ البتہ آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولانا مودودی نے اگر حضرت معاویہؓ کے بعض اعمال پر بدعت کا اطلاق کیا ہے تو وہ اس میں تنہا نہیں۔ دوسرے بعض حضرات جنہوں نے قریب کے دور میں اس موضوع پر لکھا ہے، وہ بھی اس اندازِ تعبیر سے نہیں بچ سکے۔ مثال کے طور پر مولانا معین الدین صاحب ندوی، سیر الصحابہ، جلد ششم کے ص ۹۳ پر امیر معاویہؓ کے متعلق لکھتے ہیں: "جناب امیرؓ کے مقابلہ میں ان کا صف آرا ہونا، اور اس میں کامیابی کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل استعمال کرنا، حضرت حسنؓ سے لڑنا، اسلامی خلافت کو موروثی حکومت میں بدل دینا وغیرہ، ان میں سے ہر ایک واقعہ ان کی ایسی کھلی غلطی ہے جسے کوئی حق پسند مستحسن قرار نہیں دے سکتا خصوصاً یزید کی ولی عہدی سے اسلامی خلافت کی روح ختم اور اسلام میں موروثی بادشاہت کی رسم قائم ہو گئی۔ ان

---

[1] یہاں یہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت حُجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو جب موت کی سزا سنائی گئی تو ان کے سامنے امیر معاویہؓ کے ایلچی نے یہ پیش کش کی کہ اگر وہ علیؓ پر لعنت و تبرا کریں تو ان کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔ مگر ان سب نے انکار کر دیا اور ان پر سزائے موت نافذ کر دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ کے خلاف بغاوت کے جرم سے زیادہ سنگین جرم اُن کا سبِ علیؓ سے انکار تھا۔ مولانا مودودی نے آگے چل کر "آزادیٔ رائے کے خاتمہ" کے زیرِ عنوان اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور تاریخی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں مگر اس واقعہ کا حوالہ سب و شتم کے ضمن میں نہیں دیا، حالانکہ اس واقعہ سے سبِ علیؓ پر لوگوں کو مجبور کرنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعات نے عوام چھوڑ حق پسند خواص کو بھی امیر معاویہؓ سے بدظن کر دیا۔ پھر ص۱۲۷ پر لکھتے ہیں: "امیر (معاویہ) کی بدعات میں اسلامی خلافت کو شخصی و موروثی حکومت بنا دینے کی بدعت تو بے شک نہایت مذموم بدعت تھی جس نے اسلامی خلافت کی رُوح مردہ کر دی۔" اسی طرح ص۱۴۹ پر لکھتے ہیں "ابن عم رسول، خلیفۂ راشد علی مرتضیٰؓ اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا؟ ع چراغِ مُردہ کجا شمع آفتاب کجا!" - یہ امر قابلِ وضاحت ہے کہ اس کتاب میں مولانا معین الدین صاحب نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اعتراضات کا ہر ممکن طریق پر دفاع کیا ہے، اس کے باوجود مذکورۂ بالا کلمات بے اختیار ان کی نوکِ قلم پر آگئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو شخص بھی اشخاص و افراد کی بہ نسبت دین کی حقیقی قدروں کو عزیز تر رکھے گا وہ ہر اس فعل کو بدعت کہے گا جو خلافِ کتاب و سنت ہو، خواہ اس کا صدور کسی سے بھی ہو۔ وہ "حضرتوں" اور "غیر حضرتوں" کے لیے دو الگ الگ پیمانے لے کر نہیں بیٹھ جائے گا کہ کسی غیر حضرت سے ایسا کوئی فعل سرزد ہو تو اسے بے تکلف بدعت قرار دے دے، اور جب کسی "حضرت" سے ایسا ہی کوئی فعل صدور میں آئے تو اسے اجتہاد ثابت کرے تاکہ اس پر کم از کم ایک اجر کے تو وہ ضرور ہی مستحق قرار پائیں۔

مدیر "البلاغ" نے چونکہ سبِ علیؓ والے الزام کی بڑے زور شور سے تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ "خدا ہی جانتا ہے کہ مولانا مودودی نے حضرت معاویہؓ پر یہ الزام کس بنیاد پر کس دل سے عائد کیا ہے۔" اس لیے میں چاہتا ہوں کہ سب سے آخر میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحؒ کا ایک ارشاد بھی آپ کی تالیف "حکایات الاولیاء" سے نقل کر دوں۔ اس کتاب کے ص۱۲۴ پر لکھنؤ کے ایک وعظ کے دوران میں شاہ اسمعیل شہیدؒ اور ایک شیعہ سبحان علی خاں کا ایک سوال و جواب یوں منقول ہے:

"اثنائے وعظ میں ایک موقع پر حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا ذکر آیا تو سبحان علی خاں پھر بولا اور اس نے حضرت علیؓ کی شان میں زبانِ مدح اور امیر معاویہؓ نیز دوسرے صحابہ کی شان میں زبانِ تنقیص کھولی تو مولانا شہیدؒ پھر کھڑے ہو گئے اور مولانا عبدالحی صاحبؒ کو وعظ سے روک کر سبحان علی خاں سے کہا کہ بتاؤ حضرت علیؓ کے دربار میں امیر معاویہؓ پر تبرا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نہیں حضرت علیؓ کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا۔ پھر پوچھا کہ حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاویہؓ کے یہاں حضرت علیؓ پر تبرا ہوتا تھا؟ کہا کہ بے شک ہوتا تھا۔ اس پر مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ اہل سنت الحمدللہ حضرت علیؓ کے مقلد ہیں اور روافض حضرت معاویہؓ کے "۔

اب اگر میں عثمانی صاحب کے الفاظ مستعار لے لوں تو مجھے بھی یہی کہنا چاہیے کہ خدا ہی جانتا ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضرت معاویہؓ پر یہ الزام کس بنیاد پر کس دل سے عائد کیا، اور پھر مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے لیے یہ کیونکر ممکن ہوا کہ اس الزام کو اپنے قلم سے نقل فرما کر اس کی تائید و توثیق کر دیں؟
حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے جن اقدامات کے حق میں کتاب اللہ، سنت رسول اور سنتِ خلافتِ راشدہ سے کوئی دلیل یا سند پیش نہیں کی جا سکتی، ان افعال کو خلافِ کتاب و سنت کہنے یا ان پر بدعت کا اطلاق کرنے میں اہل سنت کے ہاں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ اہل سنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ان معنوں میں معصوم نہیں سمجھتے ہیں، جس طرح اہل تشیع اپنے اماموں کو معصوم عن الصغائر والکبائر سمجھتے ہیں۔ موطا امام مالک، کتاب الزکوٰۃ میں جو روایات مروی ہیں، ان میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ جب کسی شخص کو کوئی عطیہ یا وظیفہ دیتے تھے تو لینے والے سے پوچھتے تھے کہ اس کے پاس ایسا مال پہلے سے تو موجود نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو واجب الادا زکوٰۃ عطیے میں سے وضع کر لی جاتی تھی، ورنہ پورا عطیہ دے دیا جاتا تھا۔ پھر امام مالک امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اول من اخذ من الاعطیۃ الزکوٰۃ معاویۃ (معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عطیات کی زکوٰۃ بھی پیشگی لینی شروع کر دی)۔ اس پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ مصفّٰی میں فرماتے ہیں: "گرفتن زکوٰۃ در وقتے کسے را سالانہ و ماہانہ دادہ شود بدعت است و سنت آنست کہ بعد از انقضائے حول از دستِ صاحب مال باید گرفت (سالانہ و ماہانہ مشاہرہ دیتے وقت کسی سے اس پر زکوٰۃ لینا بدعت ہے اور سنت یہ ہے کہ سال گزرنے کے بعد صاحب مال سے زکوٰۃ لی جائے)۔ یہاں یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ بعض فقہاء کے ہاں پیشگی زکوٰۃ کی ادائیگی حدِ جواز میں آ سکتی ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور خلفائے راشدین میں چونکہ یہ طریقہ متعارف نہ تھا کہ ہر شخص کو بیت المال سے رقم ادا کرتے وقت لازماً پیشگی زکوٰۃ وصول کی جائے، اس لیے امیر معاویہؓ کے فعل کو شاہ صاحب نے بدعت قرار دیا۔ (باقی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترکی میں احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دورۂ ترکی کے مشاہدات

(جناب خلیل حامدی صاحب)

(۶)

محمد الفاتح کی جامع اور درسگاہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق آج کی افطاری بھی مدرسہ امام و خطیب میں تھی۔ موفاق تلی برائے ترک طلبہ کے مرکز سے ہم سیدھے مدرسہ امام وخطیب روانہ ہو گئے۔ ہماری موٹر رواں دواں جا رہی تھی کہ استنبول کی بلدیہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور کچھ فاصلہ آگے چلے ہوں گے کہ نائت آفندی نے سڑک کے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جامع محمد الفاتح ہے۔ اس جامع کو اندر سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ گو جی چاہتا تھا کہ جو شخصیت تاریخ میں استنبول کی روح رواں رہی ہے اُس کی اپنے نام سے تعمیر کردہ مسجد کے خدوخال کی بھی زیارت ہو جائے، مگر وقت کی تنگی آڑے آئی۔ البتہ مسجد کی ملحقہ عمارات اور حدود اربعہ پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کا موقع نکال ہی لیا۔ اس مسجد کا خصوصی وصف یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک بہت بڑی تعلیمی درسگاہ بھی تھی۔ اس درسگاہ کی عمارتیں اب بھی موجود ہیں اور کسی بہت بڑی یونیورسٹی کا پتہ دیتی ہیں۔ آستانۂ خلافت میں اس درسگاہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ محمد الفاتح محض صاحب سیفِ وسنان ہی نہ تھا، علم و ادب کا قدرداں بھی تھا۔ اپنی مسجد کے ساتھ اس نے علم و ادب کی اعلیٰ درسگاہ قائم کر کے اسلامی تاریخ کے ان حکمرانوں کی مثال قائم کی جن کے ایک ہاتھ میں دستۂ عَلَم تھا اور دوسرے ہاتھ میں دفترِ علم۔ مگر اب درسگاہ محمد الفاتح ویرانہ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ صرف خالی عمارتیں باقی ہیں۔ جب ایا صوفیا کو میوزیم بنایا گیا تھا (۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء) تو جامع محمد الفاتح کو گودام بنا دیا گیا۔ یہ زیادتیاں کسی غیر مسلم فاتح سے تو متوقع ہو سکتی ہیں لیکن ایک مسلمان ملک میں ان کا ارتکاب مصطفیٰ کمال کے عہد میں کیا گیا! ایا صوفیا کو مسجد سے میوزیم میں تبدیل کرنے کی وجہ تو پھر بھی یہ ہو سکتی تھی کہ مسیحی ابتداً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو راضی کرنا مقصود تھا۔ مگر مسجد محمد الفاتح کو کس کی رضا جوئی کے لیے گودام بنایا گیا۔

عمل پسند قوم مدرسہ امام و خطیب میں کل کی طرح آج بھی افطاری پر گروہ کثیر جمع تھا۔ افطاری کے بعد حسب معمول تقریروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آج بھی مجھے تقریر کے لیے مجبور کیا گیا۔ پہلے تو تقریر کی دعوت میرے لیے "بلائے ناگہانی" تھی مگر اب یہ کیفیت ہو گئی کہ جونہی چھوٹے یا بڑے اجتماع کا سامنا ہوا، ذہن نے یہ سمجھ کر کوئی نہ کوئی موضوع تراشنا شروع کر دیا کہ ترک بھائی تقریر کے بغیر معاف نہیں کریں گے۔ لیکن معاملہ اگر محض تقریر اور سخن سازی پر مل سکتا ہو تو بھی قابلِ برداشت ہے۔ اور انسان حسُنِ مخلص کی تدبیر کر سکتا ہے۔ مگر یہاں ہندوستان اور پاکستان کی طرح چرب زبانی سے کام لینا اور لچھے دار تقریر جھاڑ دینا مشکل میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔ ترک قوم آج کل کے عربوں کی طرح باتونی نہیں ہے بلکہ عملی قوم ہے۔ ترکوں کے سامنے اگر مؤثر تقریر کر دی جائے تو اُن کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں اور وہ فوراً عمل کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ترک طبعاً ایسے علم الکلام سے واقف نہیں ہیں جس کی تان زبان و بیان پر ٹوٹ جاتی ہو، بلکہ وہ صرف اس علم الکلام کو جانتے ہیں جس کے قلابے گرز و میدان سے ملے ہوئے ہوں۔ راقم الحروف کو ترکوں کی عمل پسندی کا ایک واقعہ یاد ہے۔ ہمارے ایک عرب دوست استاذ محمود مہدی استانبولی بڑے صاحبِ جذبہ آدمی ہیں۔ دمشق کے ماہنامہ "التمدن الاسلامی" کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اسی رسالے میں انہوں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حج کے زمانے میں انہوں نے حاجیوں کے بحری جہاز کے اندر لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کی۔ حجاج کے اندر ترکوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ تقریر میں انہوں نے دنیائے اسلام کی حالتِ زار اور بالخصوص المیۂ فلسطین پر وضاحت سے روشنی ڈالی اور تمام حاضرین سے اور علی الخصوص ترکوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اسرائیل کے ساتھ قطعاً تعاون نہ کریں، کیونکہ اسرائیل سے تعاون کرنا اسلام کے منافی ہے۔ جہاد کی ضرورت پر بھی انہوں نے زور دیا۔ اس تقریر کے بعد انہوں نے اپنے ایک ترکی دان ساتھی سے کہا کہ وہ اس تقریر کا ترکی ترجمہ پیش کریں۔ چنانچہ ان صاحب نے بڑے مؤثر اور جذبہ انگیز انداز میں ترک حجاج کے سامنے تقریر کا ترجمہ پیش کیا۔ تقریر سن کر تمام ترک حاجی مترجم کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے کہا کہ جب ہم نے اپنے وطن سے کوچ کیا تھا تو ہم یہ وصیت کر آئے تھے کہ واپس نہیں آئیں گے۔ یا حضرت مولانا چلیے، ہم آپ کی

© rasailojaraid.com